Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:2 (1967)
© rasailojaraid.com

خلافت راشدہ میں شورائی نظام

محمد یوسف گورایہ، ریسرچ فیلو ادارہ تحقیقات اسلامی

(۲)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اسلامی نظامِ حکومت کی باگ ڈور صحابہ کے ہاتھ آئی تو حکومت کے وظائفِ ثلاثہ (مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ) اپنے واضح خطوط کے ساتھ تقسیم کار کے اعتبار سے الگ الگ نہ تھے جو لوگ مقننہ (۴۵) (خلیفہ اور ارکانِ مجلسِ شوریٰ) کے فرائض انجام دیتے تھے وہی انتظامیہ اور عدلیہ کی ذمہ داریاں بھی سنبھالتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ خلیفہ وقت جو پبلک نمائندہ ہوتا تھا، عمر، تجربہ، نظر و بصیرت میں سب سے زیادہ ذی فہم اور عقل و دانش کا نمونہ ہوتا تھا اپنی قوتِ فیصلہ سے بعض نازک موقعوں پر ایسی بات کا اعلان کر دیتا جو اگرچہ اجتماعی بہبود اور نتیجۃً جمہور کی رائے ہوتی تھی لیکن جب تک اُسے جمہوراً اجتماعی اور جمہوری طور پر تسلیم نہ کر لیتے خلیفہ مسلسل اپنے دلائل و براہین بیان کرتا رہتا۔ اس سلسلے میں جیشِ اسامہ کی روانگی کا مسئلہ بڑی عمدہ مثال ہے۔

جناب رسول کریم صلعم کی وفات کے بعد قبائل عرب نے مدینہ کی حکومت کے خلاف بغاوتِ عام کر دی پورے جزیرہ عرب میں تمام قبائل خودسر ہو گئے (۴۶)۔ اب یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ اسامہ بن زید کی زیرِ قیادت شام کی سرحد کی طرف جو فوج کوچ کرنے کو تیار تھی۔ اور جسے خود رسول اللہ صلعم نے تیار کیا تھا اسے اسی صورت میں جانے دیا جائے، یا اس کو اندرونی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روک لیا جائے۔ حضرت ابو بکر کا خیال تھا کہ یہ فوج اپنی مہم پر جائے۔ باقی صحابہ کی رائے اس کے خلاف تھی، دونوں جانب سے دلائل پیش ہوئے، انصار مؤخر الذکر رائے کے شدت سے حامی تھے، حضرت ابو بکر نے مجلسِ شوریٰ بلائی اور اس میں اپنے دلائل اس طرح پیش کئے :- اسامہ کی مہم ضرور جائے گی باوجودیکہ عربوں کے قبائل کے عوام و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواص مرتد ہو گئے ہیں، اور نفاق اٹھ کھڑا ہوا ہے، اور یہود و نصاریٰ اور مسلمان خود سر ہو کر سردی کی بارش والی رات میں بھیڑ بکریوں کی طرح منتشر ہو گئے ہیں اور یہ سب کچھ اس لیئے ہوا ہے کہ ان کے نبی صلعم کی وفات ہو گئی ہے، اور فوج کی قلت ہے، اور دشمن کی کثرت"۔ (۴۷)

اس رائے کے مخالفین نے اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا:۔ "صرف یہ لوگ (جیش اسامہ کی فوج کے سپاہی) ہی مسلمانوں کا کل سرمایہ ہیں، اور عربوں کا حال تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ انہوں نے آپ کی بیعت توڑ دی ہے، ایسی صورت میں یہ بات آپ کے لئے سزاوار نہیں کہ آپ اپنے پاس سے جماعتہ المسلمین کو الگ کر دیں"۔ (۴۸)

حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دلائل کا اعادہ کیا اور پورے عزم کے ساتھ فرمایا:۔ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو بکر کی جان ہے، اگر مجھے یہ خیال آئے کہ درندے مجھے جھپٹ لے جائیں گے، میں تب بھی اسامہ کی مہم کا نفاذ کروں گا۔ جیسے کہ رسول اللہ صلعم نے اس کا اہتمام فرمایا تھا میں اسے نافذ کروں گا، خواہ بستیوں میں میرے سوا کوئی دوسرا نہ رہے"۔ (۴۹)

آخر میں خلیفہ وقت کے ساتھ صحابہ کو اتفاق کرنا پڑا، اور سب نے حضرت ابو بکر صدیق کی نظر و بصیرت کا اعتراف کیا اور متفقہ طور پر جیش اسامہ کی روانگی کا فیصلہ دیا۔

حضرت ابو بکر صدیق کے عہد کا دوسرا مسئلہ مانعین زکوٰۃ کا تھا۔ خلیفہ وقت نے یہ اعلان کیا کہ "اُن لوگوں کے ساتھ جو صلوٰۃ و زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں، جہاد کیا جائے گا اور جب تک اونٹ کی رسی تک جو وہ عہدِ رسالت میں بطورِ زکوٰۃ ادا کرتے تھے ادا نہ کریں، انہیں چھوڑا نہیں جائے گا"۔ (۵۰) عام لوگوں نے خلیفہ کی رائے کی مخالفت کی، حتیٰ کہ بعض خواص نے بھی جن میں حضرت عمر بھی تھے۔ خلیفہ کے فیصلے کی تائید نہ کی، اور رائے دی کہ اس وقت مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ مانعینِ زکوٰۃ کو معاف کر دیا جائے۔ (۵۱)

حضرت ابو بکرؓ نے پورے جزم کے ساتھ اپنی رائے کا دوبارہ اعلان کیا اور جب آپ نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی تو اکثریت نے آپ کی رائے کا ساتھ دیا حتیٰ کہ خود حضرت عمرؓ نے اعتراف کیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی رائے ہم سب سے اعلیٰ تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس بات کے لئے کھول دیا جس پر حضرت ابو بکرؓ جمے ہوئے تھے۔ چناں چہ خلیفہ کی قوتِ ارادی اور فیصلہ کن لہجے نے کہ "میں اپنے فیصلے پر قائم رہوں گا، اور لوگوں کے خلاف جہاد کروں گا اگر چہ مجھے اکیلے ہی ایسا کرنا پڑے" (۵۲)۔ سب کو رام کیا اور جمہوری اور شورائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریق پر طے یہ ہوا کہ مانعینِ زکوٰۃ کو معاف نہیں کیا جائے گا اور ان کے خلاف جہاد ہوگا۔

اس عہد کا ایک اور واقعہ جمع و تدوینِ قرآن کا ہے۔ تدوینِ قرآن کا مسئلہ خلیفہ کے بجائے حضرت عمرؓ نے اُٹھایا، مورخین کے مشہور بیان کے مطابق جنگِ یمامہ میں قرآن کے قرا کثرت سے شہید ہوئے (۵۳)۔ حضرت عمرؓ کو خیال آیا کہ قرآن کو اگر محفوظ نہ کر لیا گیا تو ایسی اور کسی صورتِ حال میں قرآن دنیا میں محفوظ نہ رہے گا۔ انہوں نے اپنی یہ تجویز خلیفہ کی خدمت میں پیش کی، حضرت ابوبکر حضرت عمر کے اس سلسلے میں ہم خیال نہ تھے۔ (۵۴) حضرت عمر نے اپنی تجویز دلائل و براہین کے ساتھ خلیفۂ وقت اور دوسرے ارکانِ شوریٰ کے سامنے دوبارہ پیش کی، کافی بحث وتمحیص کے بعد حضرت عمرؓ کی تجویز مان لی گئی۔ اتفاق رائے کے بعد خلیفۂ وقت کی طرف سے باقاعدہ سرکاری طور پر ایک کمیٹی مقرر کی گئی، اور جمع و تدوین کا کام حضرت زید کی قیادت میں اس کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا، لیکن جب تک خلیفہ نے باقاعدہ ایک فرمان کے ذریعے اس کام کا اعلان نہیں کر دیا، جمع و تدوینِ قرآن جیسا مقدس فریضہ بھی کسی صحابی نے اپنے طور پر انجام دینے کی جرأت نہیں کی (۵۵)۔

عہدِ صدیقِ اکبر میں ایک اور مسئلہ پیش ہوا، اور وہ رسول اللہ صلعم کے ترکے کا سوال تھا، حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ نے اور بعد میں حضرت علی اور حضرت عباس نے اس کا مطالبہ کیا (۵۶) مسئلہ بڑا اہم اور نازک تھا، حضرت ابوبکر نے جماعتِ صحابہ کے ساتھ مل کر اس کے حل پر غور کیا، اکابر صحابہ سے اس بارے میں رائے معلوم کی گئی۔ اور جب سب نے حضورؐ کے اس فرمان کی توثیق کر دی کہ " لا نورث ما ترکنا صدقۃ" (۵۷) (ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، اور جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ وقفِ عام ہوتا ہے) تو حضرت ابوبکرؓ نے اجتماعی رائے پر یہ فیصلہ دیا کہ رسول اللہ صلعم کا ترکہ اُمت کا اجتماعی ترکہ ہے، جس میں کسی خاص فرد یا خاندان کا کوئی خاص حصہ نہیں ہوتا۔ (۵۸)

یہ واقعات حضرت ابوبکر صدیق خلیفۂ اوّل کے عہد کی "مقننہ" کے طریقِ کار پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ ان واقعات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات خلیفہ کا ذاتی فرمان اس وقت تک قانون کی حیثیت اختیار نہیں کرتا تھا جب تک اُسے جمہور دلائل کی روشنی میں مان نہیں لیتے تھے۔ جیشِ اسامہ کی روانگی اور مانعینِ زکوٰۃ کے سلسلے میں جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا، اس کی واضح مثال ہے۔ تدوینِ قرآن کے واقعے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے، اور اس اصول کی وضاحت ہوتی ہے کہ کوئی رائے کتنی صائب، کتنی عمدہ اور کتنی وقیع کیوں نہ ہو، جب تک حاکمِ وقت، دوسرے اہلِ حل وعقد اور ارکانِ مجلسِ شوریٰ کے ساتھ شورائی نظام کے تحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی قانونی فیصلے تک نہیں پہنچ جاتا، اور اُسے اجتماعی طور پر قانونی شکل نہیں دے لیتا، اور اس کے بارے میں فرمان جاری نہیں کر لیتا، اس پر عمل نہیں ہو سکتا، اور اُمت میں سے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ کوئی اپنے خیال میں صائب الرائے ہونے کی وجہ سے اپنی رائے پر ڈٹا رہے اور انفرادی طور پر اپنی رائے پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد دوسرے خلیفہ حضرت عمر کا دور شروع ہوتا ہے۔ اب ہم عہد فاروقی میں "مقننہ" کے طریقِ کار کا جائزہ لیتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ اس عہد میں قانون سازی کس طرح ہوتی تھی؟ حضرت عمر کے عہد میں مجوس کی مذہبی حیثیت کے تعین کا مسئلہ درپیش ہوا، تاکہ ان کے ساتھ قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق سلوک کیا جائے:

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ وبالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتٰب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔ (۵۹) ان لوگوں کے ساتھ لڑائی کرو جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اس کو حرام نہیں سمجھتے، اور نہ دینِ حق کو اپنا دین سمجھتے ہیں ان لوگوں میں سے جو اہلِ کتاب ہیں حتیٰ کہ وہ ہاتھوں سے جزیہ دیں اور صاغر بن کر رہیں)۔

حضرت عمر نے اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے مجلسِ شوریٰ منعقد کی، آپ نے کہا: "ما ادری ما اصنع بالمجوس ولیسوا اھل الکتاب" (۶۰) میں نہیں جانتا کہ مجوس کے ساتھ کیسا سلوک کروں اور وہ اہلِ کتاب نہیں ہیں)۔ مورخ بلاذری کے بیان کے مطابق حضرت عمر نے یہ مسئلہ مہاجرین کی ایک جماعت کے سامنے رکھا جو مسجدِ نبوی میں اکثر ایسے مسائل کے حل کے لئے وہاں بیٹھا کرتی تھی۔ اور اُن سے اس بارے میں استصواب کیا ۶۱۔ ارکان شوریٰ میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اُٹھے اور اُنھوں نے کہا: "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "سُنوا بھم سنۃ اھل الکتاب" (۶۲) میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا تھا کہ ان کے ساتھ اہلِ کتاب کا سا سلوک کرو"۔ جس پر تمام ارکان شوریٰ کا اتفاق ہو گیا اور اس کے مطابق مجوس سے جزیہ وصول کیا گیا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں غسل جنابت کی ایک خاص صورت میں بڑا نزاع پیدا ہو گیا، اور حضرات صحابہ میں بڑا اختلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ انصار کی ایک جماعت جس کی قیادت ابو ایوب اور ابو سعید الخدری کر رہے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس رائے کے حامی تھے کہ "الماء من الماء" (۶۳) (غسل جنابت صرف انزال کی صورت میں ہے)، ایک دوسری جماعت اس رائے کی مخالف تھی، ان کے نزدیک غسل کے لئے انزال کی شرط ضروری نہیں، دخول کافی ہے (۶۴) مہاجرین وانصار اکثر اس پر الجھتے، حضرت عمر نے معاملے کی نزاکت کے پیشِ نظر مہاجرین وانصار پر مشتمل مجلسِ شوریٰ طلب کی، اور مسئلہ ان کے سامنے رکھا، اکثریت نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی کہ غسلِ جنابت کے لئے انزال کا ہونا ضروری ہے، حضرت علی اور حضرت معاذ پھر بھی مطمئن نہ ہوئے (۶۵) مسئلہ پر سب کے اتفاق کے لئے اور اُسے قانونی شکل دینے کی خاطر حضرت عمرؓ نے اسے صحابہ کی خدمت میں پیش کیا، اور ان کی رائے :- اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل" (۶۶) کو قطعی قرار دے کر اُسے اپنے حکم سے شائع کر دیا گیا، اور آئندہ کے لئے مجموعی طور پر اُسے قانون کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

سنہ ہجری مقرر کرنے کا واقعہ بھی حضرت عمر کے عہد کے ان واقعات میں سے ہے جن کا تصفیہ شورائی نظام کے تحت کیا گیا۔ حضرت عمر بغیر تاریخ کے بہت سے خطوط بھیج دیتے تھے، جن سے معلوم کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ ان کا اشارہ کس سال کے "شعبان" کی طرف ہے۔ چنانچہ البیرونی کی روایت کے مطابق ابو موسیٰ الاشعری نے تو کہہ ہی دیا کہ آپ بغیر تاریخ کے خطوط بھیج رہے ہیں (۶۷) یہ مسئلہ خاص طور پر اس وقت زیادہ پریشان کن ثابت ہوا جب کہ حضرت عمر کے سامنے ایک تحریر پیش ہوئی جس پر صرف شعبان کا مہینہ درج تھا، حضرت عمر نے کہا یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ شعبان کس سال کا ہے؟ گذشتہ سال کا یا موجودہ؟ حضرت عمر نے اس کا کوئی مثبت حل تلاش کرنے کے لئے مجلسِ شوریٰ منعقد کی اور مسئلہ اس کے سامنے رکھا، ارکانِ شوریٰ میں سے بعض نے اہلِ فارس کی تقلید کا مشورہ دیا۔ چنانچہ خوزستان کا سابق بادشاہ ہرمزان جو قبولِ اسلام کے بعد مدینہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا، اس نے ماہ وروز کے حساب کا پتہ دیا اور بتایا کہ اس میں مہینہ اور تاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے، پھر اس پر بحث شروع ہوئی کہ سنہ کی ابتداء کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علیؓ نے ہجرتِ نبوی کو اختیار کرنے کی رائے پیش کی، پوری مجلس نے اس تجویز کو سراہا، اور سب کا اس پر اتفاق ہو گیا (۶۸)۔

حضرت عمر کے عہد کا ایک مسئلہ جسے مجلسِ عامہ کے ذریعے حل کیا گیا جنگِ قادسیہ میں خلیفہ کا بذاتِ خود افواج کی قیادت کرنا ہے (۶۹)۔ عراق اور ایران کے بعض حصوں کی فتح کے بعد ایران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نیا بادشاہ یزد جرد ایرانی افواج کو جوش دلا رہا تھا کہ مفتوحہ علاقے واپس لے کر عربوں کو سرزمین ایران سے نکال دیا جائے۔ اس کی شہ پر بعض مفتوحہ اضلاع باغی ہو گئے، جب ان واقعات کی خبر حضرت عمر کو پہنچی تو انہوں نے پورے عرب میں نئی فوج کی بھرتی کا حکم دے کر بذاتِ خود ان کی قیادت کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے یہاں تک تیاری کر لی کہ حضرت طلحہ کو ہراول کا سپہ سالار مقرر کر کے حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو میمنہ اور میسرہ کی کمان دی۔ اور مدینے میں اپنا نائب حضرت علی کو مقرر کر دیا۔ اس زبردست فوج کو کوچ کا حکم دے دیا گیا جس نے سب سے پہلا پڑاؤ مدینہ سے تین میل باہر جرار (۰،۷) کے چشمے پر ڈالا۔ جب وہ شہر سے باہر جرار کے چشمے پر پڑاؤ ڈال چکے تو حضرت عمر کا یہ ذاتی فیصلہ ہر صحابی کا موضوعِ بحث بنا۔ حضرت عمر نے فوراً "الصلوٰۃ جامعۃ" کی منادی کرادی، جو اس بات کا اعلان تھا کہ مسلمانوں کے تمام اصحاب الرائے حضرات مجلسِ شوریٰ میں جمع ہوں۔ حضرت عمر نے اپنا نقطہ پیش کرتے ہوئے اپنی پوزیشن واضح کی کہ وہ کیوں بذاتِ خود میدانِ جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اکثریت نے چلا کر کہا "آپ ضرور چلئے اور ہمارے ساتھ چلئے" یہ سمجھ کر تمام مسلمان یک زبان ہیں، تیاری کا حکم دے دیا، اور ساتھ یہ بھی کہا کہ جب تک مجھے اس سے بہتر مشورہ نہ ملے میں جمہور کے ساتھ جاؤں گا، باوجودیکہ عوام نے آپ کی رائے سے موافقت کی لیکن عوام کی اس آواز میں انہیں خواص کی آواز جو اصل میں عوام کی نمائندہ تھی، سنائی نہ دی، جس پر دوبارہ مجلسِ شوریٰ کے انعقاد کا اعلان فرمایا، اس مجلس میں رسول اللہ صلعم کے اکابر صحابہ اور عرب کے مدبرین نے حصہ لیا۔ آپ نے خاص طور پر ان سے اپنے جانے کے سلسلے میں مشورہ لیا۔ جس پر سب نے متفقہ طور پر رائے دی کہ خلیفہ کو بذاتِ خود فوج کی قیادت نہیں کرنی چاہیئے، اور اپنی جگہ رسول اللہ کے کسی دوسرے صحابی کو سپہ سالارِ اعظم نامزد کر کے بھیجنا چاہیئے۔ اور خود انہیں دارالخلافہ میں تشریف رکھنی چاہیئے تاکہ مزید کمک سے افواج کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے، اور یہ کہ فتح حاصل کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ شکست کی صورت میں خلیفہ دوسرے سپہ سالار کو ایک نئی فوج کے ساتھ بھیج کر دشمن کو ہراساں کر سکتا ہے (۱۷)۔ اگرچہ ارکانِ شوریٰ میں سے اکثریت کی یہی رائے تھی اور عبدالرحمٰن بن عوف اس رائے میں پیش پیش تھے۔ لیکن ان میں سے بعض سرکردہ حضرات جن میں حضرت طلحہ شامل تھے، حضرت عمر کی رائے کے حامی تھے (۲۷)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا خیال یہ تھا:۔ میدانِ جنگ میں شکست یا خلیفہ کی شہادت نوزائیدہ ریاست کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تباہ کن ثابت ہوگی۔ اور یہ زیادہ اچھا اور عمدہ طریقہ ہے کہ خلیفہ مدینہ میں ٹھہریں اور شکست کی صورت میں دوسرا سپہ سالار بھیج سکیں" (۴۳)۔ حضرت علی بھی حضرت عمر اور طلحہ کے ہم رائے تھے اور وہ حضرت عمر کے جانے کے حق میں تھے۔ (۴۴) غرض شوریٰ کا یہ اجتماع بھی فیصلہ کن ثابت نہ ہو سکا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے رسول اللہؐ کے نہایت مدبر، زیرک اور اصحاب الرائے کی ایک خاص مجلس منعقد کی اور معاملے کو فیصلہ کن مرحلے تک پہنچایا۔ اس کے بعد آپ نے ایک عام مجلس طلب کی اور الصلوٰۃ جامعۃ کے ذریعے تمام عوام و خواص کو اس میں دعوت دی۔ آپ نے اس عام مجلس کو اس طرح خطاب کیا:۔

"اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے مسلمانوں کے اندر اتحاد و اخوت پیدا کی، اور تمام مسلمانوں کے دلوں کو اس نعمت سے جوڑا۔ اس نے اسلام کے ذریعے انہیں بھائی بھائی بنا دیا، مسلمان آپس میں ایک جسم کی مانند ہیں جس کے ایک حصے کے زخمی ہونے سے دوسرے حصے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس اتحاد و اخوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات ان پر فرض کر دی ہے کہ وہ اپنے معاملات شورائی نظام کے تحت طے کریں، اور مسلمانوں کے اصحاب الرائے ان کی مدد کریں۔ عوام الناس کا فرض ہے کہ وہ حکمرانوں کی اطاعت کریں، ان کی مدد کریں، اور ان کے اقدامات پر عمل کریں، جنگی معاملات میں حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ اصحابِ نظر و بصیرت اور اصحاب الرائے کے مشورہ کو لیں، اور اس کے مطابق لائحہ عمل مرتب کریں۔

" اے لوگو! یقیناً میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار تھا، تاکہ محاذ پر بذاتِ خود تمہاری قیادت کروں، حتیٰ کہ اصحاب شوریٰ نے مجھے ایسا کرنے سے باز رکھا، اور اب میں ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے پیچھے رہوں گا، اور کسی دوسرے کو اپنی جگہ بھیجوں گا۔ اپنے بیان کی تصدیق میں (کہ میں جانے کے لئے تیار تھا) میں نے ہراول دستے کے سپہ سالار اور اُس کو جسے میں نے پیچھے چھوڑ رکھا ہے بُلا بھیجا ہے"۔

طبری کا بیان ہے کہ حضرت علی کو حضرت عمر نے مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر رکھا تھا اور حضرت طلحہ کو ہراول کا سپہ سالار مقرر کیا ہوا تھا۔ حضرت عمر نے اس مقصد کے پیشِ نظر دونوں کو بُلا بھیجا یہ واضح کرنے کے لئے کہ وہ ذاتی طور پر جانا چاہتے تھے"۔

حضرت عمر کی اس تقریر سے جمہور مسلمان اس بات کے قائل ہو گئے کہ انہیں واقعی پیچھے ٹھہرنا چاہیئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمر خود تو اس فیصلے کے مطابق مدینے میں ٹھہرے اور اپنی جگہ سعد بن ابی وقاص کو افواج کا سپہ سالار اعظم بنا کر بھیجا۔ (۷۵) حضرت عمر کی خلافت کے واقعات میں سے سب سے اہم واقعہ سواد کی مفتوحہ زمین کی تقسیم تھا۔ اس کی نظیر آں حضرت صلعم کے عہد کا انتظام تھا جو خیبر کی فتح پر حضورؐ نے وہاں کیا۔ آپؐ نے یہ انتظام فرمایا کہ زمین کو مفتوحین کی درخواست پر انہیں کے پاس رہنے دیا اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا (۷۶) اس کے سواحل مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے ان کی زمین پر عشر مقرر کر دیا (۷۷) حضرت عمرؓ کے عہد میں جب سواد کا علاقہ فتح ہوا تو امرائے فوج نے آں حضرت صلعم کے انتظام کے پیش نظر اور قرآن مجید کی آیات :-

۱:- واعلموا انما غنمتم من شیئ فان اللہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل (۷۸) جان لو! جو کچھ بھی تمہیں مالِ غنیمت میں حاصل ہو، اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لئے اور ذوالقربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لئے ہے " ــــــــــ اور

۲:- ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل.... للفقراء المہاجرین الذین اخرجو من دیارھم .... والذین جاؤا من بعدھم (۷۹) جو زمین یا جائداد ہاتھ لگے وہ خدا اور پیغمبر اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقراء، مہاجرین اور ان سب لوگوں کی ہے، جو آئندہ دنیا میں آئیں "

کو پیش کر کے مفتوحہ زمین اپنی جاگیر میں لینے اور اس میں آباد باشندوں کو غلامی میں لینے پر اصرار کیا (۸۰) حضرت عمر کا فیصلہ اس عام خیال کے خلاف تھا۔ اور آپ کی رائے تھی کہ مفتوحہ زمین بطور وقف عام کے وہاں کے باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے۔ اس کی آمدنی بصورت خراج مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے۔ اور مفتوحین کو ہر طرح آزاد چھوڑ دیا جائے (۸۱)۔

امرائے فوج کی طرف سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن العوام اور ہلال بن رباح خاص طور پر پیش پیش تھے، اور اُنھوں نے زمین کو فاتحین اور مجاہدین میں تقسیم کرنے پر سخت اصرار کیا (۸۲) دونوں جانب سے دلائل و براہین پیش ہوئے، اور مسئلہ کے ہر پہلو کو مجمع عام میں بار بار پیش کیا گیا، حضرت عمرؓ کے دلائل کا خلاصہ یہ تھا کہ مفتوحہ زمین بطور وقف عام کے محفوظ رہے گی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس سے موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہوں گے، اس کی مجموعی آمدنی سے فوجی تیاری، سرحدوں کا دفاع اور ملکی امن و امان کا قیام عمل میں آئے گا۔ اور تقسیم کی صورت میں ان کاموں کے مصارف کہاں سے آئیں گے؟ مجاھدین جن کے سرگرم نمائندے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے، یہ دلائل پیش کرتے تھے:۔ وہ مجاہدین جن کی تلواروں نے ملک فتح کیا ہے وہی اس کی ملکیت اور اس کی آمدنی سے متمتع ہونے کا حق بھی رکھتے ہیں۔

روایات کے مطابق یہ بحث کئی دن جاری رہی، اور کوئی فیصلہ نہ ہو پایا۔ حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کا ایک اجلاس عام طلب کیا، جس میں اکابر مہاجرین نے مہاجرین کی نمائندگی کی، اور پانچ قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے افراد نے انصار کی نمائندگی کی، حضرات علی، عثمان اور طلحہ نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی (۸۳)۔ کئی روز کے بحث و مباحثہ کے بعد آخر حضرت عمر نے اپنے دلائل قرآن مجید کی روشنی میں یوں بیان کیے:۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ و للرسول ...... والذین جاؤامن بعدھم، میں مسلمانوں کی آئندہ نسلیں بھی شامل ہیں (۸۴)۔ اس لئے ان فتوحات میں ان کے آئندہ مفادات کا تحفظ ضروری ہے۔ اور انہوں نے آیت کے الفاظ والذین جاؤا من بعدھم خاص طور پر پڑھ کر سنائے اور ان کی تفسیر میں فرمایا کہ ہم کس طرح قرآن حکیم کی آیت پر عمل نہ کریں اور زمین کو فاتحین میں بطور جاگیر کے تقسیم کر دیں، حضرت عمر کے ان دلائل نے سب کو قائل کر دیا اور متفقہ طور پر فیصلہ یہ ہوا کہ زمین وقفِ عام ہو گی، اس میں بعد والے بھی شریک ہوں گے اور یہ فیئے ان سب کے درمیان مساوی ہے، ہم اس کو کس طرح موجودہ لوگوں میں تو تقسیم کر دیں اور جو ان کے بعد آئیں انہیں محروم کر دیں: (۸۵)

اس فیصلے کے مطابق مفتوحہ زمین فوج میں تقسیم نہیں کی گئی، بلکہ بطور وقفِ عام حکومت کی ملکیت رہی اور سابقہ قابضین کو بیدخل نہیں کیا گیا۔ اور اس کی مجموعی آمدنی میں سے مجاہدین کے لئے ایک خاص حصہ مقرر کر دیا گیا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں، جیسا کہ ہم نے دیکھا "مقننہ" کا کام انجام دینے کے لئے کچھ خطوط کی بنیاد ڈالی جا رہی تھی۔ اور اس سلسلے میں بعض مجالس واضح طور پر وجود میں آ چکی تھیں، اور ان مجالس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ڈھانچہ اور ان کی کارروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید دور کی مقننہ کے ساتھ، کئی سو سال کے فاصلے کے باوجود، کچھ نہ کچھ مشابہت ضرور تھی۔ یعنی مسجدِ نبوی کو اگر موجودہ پارلیمنٹ (PARLIAMENT) یا اسمبلی (ASSEMBLY) سے تشبیہ دی جائے اور اس میں منعقد ہونے والے اجلاسِ عام کو (GENERAL ASSEMBLY) یا (HOUSE OF COMMONS) سے، مجلسِ خصوصی کو (UPPER HOUSE) یا (HOUSE OF LORDS) سے تشبیہ دی جائے تو دور از قیاس نہ ہوگا۔

تاریخ میں ہمیں ان دونوں مجالس کا ذکر ملتا ہے، مؤرخ بلاذری کی روایت کے مطابق صحابہ کی ایک عام مجلس تھی جو اکثر مسجدِ نبوی میں اس مقصد کے لئے منعقد ہوتی تھی کہ پوری سلطنت کی طرف سے جو مسائل اس کے سامنے پیش ہوں وہ ان پر غور کرے، چناں چہ مجوس کی مذہبی حیثیت متعین کرنے کا سوال سب سے پہلے اسی مجلس کے سامنے پیش کیا گیا۔

اگرچہ بلاذری نے اس مجلس میں شریک ہونے والے افراد کو مہاجرین تک محدود رکھا ہے لیکن ہمارے خیال میں اس میں انصار بھی ضرور شریک ہوتے ہوں گے۔ ایک تو اس مجلس کا انعقاد مسجدِ نبوی میں ہوتا تھا جو عام جگہ تھی، جہاں تمام مسلمان جس وقت چاہتے جا سکتے تھے اور کسی پر کسی وقت جانے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ دوسرے روایت کے مطابق یہ مجلس پوری سلطنت کی طرف سے کسی بھی پیش ہونے والے مسئلے پر غور کرنے کے لئے طلب کی جاتی تھی" ویحدثھم عما ینتھی الیہ من امر الآفاق" جس میں مہاجرین کی کوئی خصوصیت نہ تھی کہ صرف وہی اس پر بحث کر سکتے ہیں انصار نہیں۔

مشہور روایات کے مطابق صحابہ کی جماعت میں سے بعض حضرات بطورِ خاص اس کام کے لئے منتخب تھے۔ اگرچہ ان کا انتخاب دورِ جدید کے طریقِ استصوابِ رائے عامہ سے باقاعدہ نہیں ہوا تھا لیکن اس دور کے معروف طریقِ کار کے اعتبار سے ان حضرات کی حیثیت کسی لحاظ سے بھی ماہرین پر مشتمل "خلیفہ کی مشاورتی کونسل" سے کم نہ تھی۔ طبقات ابنِ سعد کی روایت کے مطابق اس مجلس میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ شامل تھے (۸۶)

مؤرخ طبری نے بیان کیا ہے کہ "مقننہ کے اجلاس عام کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو پہلے منادی اعلان کرتا تھا" الصلوٰۃ جامعۃ" یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں، جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگ جمع ہو جاتے تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں جاکر دو رکعت نماز پڑھتے، نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے، اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا۔ (۸۷)

حضرات ابو بکرؓ اور عمرؓ کے دورِ خلافت میں طے پانے والے مشہور معاملات پر غور کیا جائے تو اس دور کی "مقننہ" کے سلسلے میں مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کا وجود دورِ جدید کی اصطلاحات کے مطابق نہ تھا۔ حضرات صحابہ جس چیز کو حق سمجھتے تھے اس کی حمایت کرتے تھے، کبھی وہ خلیفہ کی موافقت کرتے تھے اور کبھی مخالفت، اور جب اکثریت ایک رائے پر قائم ہو جاتی تو اقلیت اپنی مخالفت کے باوجود اکثریت کا ساتھ دیتی۔

۲۔ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ، حکومت کے وظائف ثلاثہ کے درمیان دورِ جدید کی طرح تقسیمِ کار میں حدِ فاصل قائم نہیں ہوئی تھی۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو حضرات "مقننہ" میں پیش پیش تھے وہی انتظامیہ اور عدلیہ کے فرائض کی انجام دہی میں بھی مصروف تھے۔

۳۔ اس دور میں کسی ایسے گروہ، جماعت یا افراد کا وجود نظر نہیں آتا، جو حکومت کے وظائفِ ثلاثہ (مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ) سے کنارہ کش ہو کر محض تنقید کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہو، بلکہ اُمت کی اجتماعی بہبود و فلاح کی خاطر ہر فرد کسی نہ کسی لحاظ سے "وظائفِ ثلاثہ" میں عملاً سرگرم دکھائی دیتا ہے، اور جہاں کہیں اپنی رائے سے اختلاف پاتا ہے، اس پر انفرادی طور پر جم کر دوسروں کو تخریبی کارروائیوں پر اکسانے کی بجائے صحابہ کی مجلسِ عمومی یا مجلسِ خصوصی یا براہِ راست خلیفہ کے سامنے اپنی تجویز مع دلائل و براہین پیش کرتا ہے، اور جب فیصلہ کثرت رائے سے ہو جاتا تو وہ اُسے تسلیم کرتا ہے۔

حضراتِ شیخین کے عہد کے نظامِ حکومت کا لبِ لباب یہ تھا کہ اس عہد میں ہر مسلمان اُمت کی اجتماعی فلاح و بہبود کی خاطر حکومت کے وظائفِ ثلاثہ میں سے کسی نہ کسی وظیفہ میں عملاً شریک ہوتا تھا، اس نظامِ حکومت میں کسی فرد کو حق حاصل نہیں تھا کہ حکومت کی مشینری کے باہر کسی جماعت یا پارٹی کو ترتیب دے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے حکومت کے خلاف کوشش کرے، چناں چہ حضرت علی کی مثال اس سلسلے میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی ہے۔ آں حضرتؐ کی وفات سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے کر حضرت علیؓ کے خود خلیفہ بن جانے تک انہیں بار بار اس بات کا مشورہ دیا گیا کہ خلافت ان کا حق ہے، اور انہیں اس کے حصول کے لئے عملاً کوشش کرنی چاہیئے، لیکن اُنھوں نے ہمیشہ اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کیا، اور اس حق کے حصول کی کوشش ہمیشہ جمہوری طور پر کرتے رہے، اس جمہوری طرزِ فکر کے پیشِ نظر انہوں نے خلفائے ثلاثہ میں سے ہر ایک کے انتخاب کے بعد ہر بار اپنی وفاداری کا ثبوت دے کر ایک سنہری اصول کی بنیاد ڈالی۔

اسی طرح حضرت علیؓ ہی کا اسوہ رسول اللہ صلعم کے ترکہ کے سلسلے میں اس دَور کے نظامِ حکومت اور افراد کے حکومت کے ساتھ تعلق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ افراد اپنے حقوق متعین کروانے کے لئے کیا طریقِ کار اختیار کریں، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے صحابہ کی کثرتِ رائے کے سامنے کس طرح اس فیصلے کا احترام کیا، اور اس پر عمل کیا۔

اس دور کی دوسری بڑی خصوصیت جو ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک ٹھوس یونٹ (جسد واحد) کی حیثیت سے اسلام کو اپنی نفسانی اغراض و خواہشات سے بلند سمجھتے تھے، اور جب خواہشات اور اسلامی اقدار میں ٹکر دیکھتے تو ذاتی خواہشات پر اسلامی اقدار کو ترجیح دیتے۔ حضرات ابوبکر و عمر کے دورِ خلافت کے بعد وظائف ثلاثہ "مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ" میں ہم آہنگی اور تعاون کا یہ نظام قائم نہ رہ سکا، اور "مقننہ" ایک وحدت کی بجائے انتشار کا شکار ہو گئی۔ اس نظام کے قائم نہ رہنے کے بہت سے اسباب تھے۔

حضرت عمر کے دورِ خلافت میں فتوحات کا سلسلہ اتنا وسیع ہوا کہ اس نے عراق، شام، ایران اور مصر کی قدیم تہذیبوں کو چند سال کے اندر اندر اپنی آغوش میں لے لیا۔ خلافت کے ڈھانچے کا قیام، جس کی عمدگی کی وجہ سے فتوحات کا یہ سلسلہ اتنا وسیع ہوا تھا، اکثر و بیشتر عربوں کی قدیم تہذیب اور ان کی نفسیات کے بارے میں حضرت عمر کے علم پر مبنی تھا، جہاں تک عربوں کو مطیع اور فرمان بردار رکھ کر ان سے تعمیر و ترقی کے کام لینے کا تعلق تھا حضرت عمر کا نظام ایک مثالی نظام تھا، انہوں نے صحیح معنوں میں "حکومت اور فرد" کے رشتہ کو سمجھا اور خصوصاً حضرت عمر کی عربوں کی نفسیات کے بارے میں سمجھ بوجھ اور وسیع معلومات نے "حکومت اور فرد" کے رشتہ کو بدرجہ احسن استوار کرنے میں سب سے زیادہ مدد دی، اور حقیقت میں ان کی کامیابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا سب سے بڑا راز اسی میں تھا۔

البتہ جزیرہ عرب کے باہر مفتوحہ اقوام، ان کی تہذیب وثقافت، اور ان کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی حالات کے بارے میں وہ پوری طرح واقفیت حاصل نہ کر سکے، اور حقیقت میں مسلسل فتوحات اور فوجی و دفاعی مصروفیات میں مشغولیت کے سبب ایسا کرنا ممکن بھی نہ تھا۔ اس لئے وہ مفتوحہ اقوام کی نفسیات اور ان کے عادات وخصائل کے مطابق کوئی ایسا ہمہ گیر اصول وضع نہ کر پائے، جس کے ذریعے عربوں اور غیر عربوں کا امتزاج، حکومت کے سیاسی نظام میں اسی طرح ہو سکتا جس طرح وہ عربوں کے سلسلے میں وضع کرنے میں کامیاب ہوئے تھے، اگر بغور دیکھا جائے تو اس میں حضرت عمر کی ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ ان کے زمانے میں یہ مسئلہ اپنی اصل شکل میں پیش ہی نہیں ہوا تھا، ان کے دَورِ خلافت بلکہ ان کے بعد تک اسلامی فتوحات کا سیلاب مسلسل آگے ہی آگے بڑھتا رہا، اور خلافت کی حدود دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتی گئیں، اور غیر عرب فتوحات کے اس سیلاب کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ اور اسلام قبول کرنے کے باوجود وہ مساوی حقوق کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عمر کے بعد جب حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں فتوحات کے ساتھ مفتوحہ اقوام ذرا سنبھلیں اور ان میں سے اکثر لوگ اسلام قبول کرنے لگے اور خصوصاً وہ لوگ جو مفتوحہ حکومتوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے اور شکست کے بعد ان کے لیئے اسلام قبول کرنے کے علاوہ اپنی سابقہ عزت اور بلند مقام کو قائم رکھنا محال تھا (۸۸)۔ جب مسلمان ہوئے اور اسلام کی بنیادی تعلیمات نے حکومت کے نظام میں عربوں کے ساتھ ان کے مساوی حقوق دلانے کی حوصلہ افزائی کی۔ تو انہوں نے بھی سیاسی نظام میں اپنے حقوق کا مطالبہ کیا۔ (مسلسل)

حواشی وحوالہ جات

۵۴۔ مقننہ کی اصطلاح، دورِ جدید میں خاص معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کا مفہوم متعین اور مقصود واضح ہے۔ یہ انتظامیہ اور عدلیہ سے الگ ایک آزاد ادارہ ہے، جو قانون سازی کے لیئے مخصوص ہے۔ قرونِ اولیٰ میں مقننہ اس مفہوم کے ساتھ موجود نہ تھی بلکہ انتظامیہ اور عدلیہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ مخلوط تھی، اس دور میں مقننہ ایسے نظام کی ترجمان تھی جس کے ذریعے حکومت کی مشینری چلانے کے لئے مہتم بالشان فیصلے ہوتے تھے۔ اور ملکی نظم و نسق اور افراد و حکومت کے تعلقات اور دوسرے مسائل وغیرہ پر غور کیا جاتا تھا۔

۴۶۔ محمد بن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، بریل، ہالینڈ ۱۹۶۴ء سلسلہ اول ج ۴ ص ۱۸۹۴

۴۷۔ ایضاً (۴۸) ایضاً (۴۹) ایضاً

۵۰۔ وقد بعثوا وفوداً فقدموا المدینۃ، فنزلوا علی وجوہ الناس، فأنزلهم ماخلا عباساً فحملولهم علی ابی بکر علی ان یقیموا الصلوٰۃ وعلی ان لا یؤتوا الزکاۃ فعزم اللّٰہ لابی بکر علی الحق وقال لو منعونی عقالا فجاهدتهم علیه، کان عقل الصدقۃ علی اهل الصدقۃ مع الصدقۃ فردهم (الطبری، ایضاً ص ۱۸۷۳)۔

۵۱۔ الطبری، ایضاً ص ۱۸۹۴۔

۵۲ الطبری۔ ایضاً ص ۱۸۴۸۔

۵۳۔ ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بالناس، وانی اخشی ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فیذهب کثیر من القرآن الا ان تجمعوه وانی لاری ان تجمع القرآن" محمد حسین ہیکل، الصدیق ابوبکر، مصر ۱۹۵۸ء، ص ۳۲۴۔

۵۴۔ "کیف افعل شیئاً لم یفعله رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم"، محمد حسین ہیکل، ایضاً۔

۵۵۔ حضرت عمر کے مشورے کے بعد حضرت ابوبکر نے حضرت زید بن ثابت کو بلا کر فرمایا، حضرت زید بن ثابت روایت کرتے ہیں: "ارسل الی ابوبکر مقتل اهل الیمامه وعنده عمر، فقال ابوبکر: ان عمر آتانی فقال ان القتل استحر یوم الیمامۃ بالناس وانی اخشی ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فیذهب کثیر من القرآن وانی اریٰ ان تامر بجمع القرآن، قلت لعمر: کیف تفعل شیئاً لم یفعله رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، قال عمر: هذا واللّٰہ خیر، فلم یزل یراجعنی حتی شرح اللّٰہ صدری لذلك ورایت فی ذلك الذی رای عمر قال زید: وعنده عمر جالس لا یتکلم فقال ابوبکر: انك رجل شاب عاقل ولا نتهمك، کنت تکتب الوحی لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ فتتبع القرآن فاجمعه" محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البخاری، کان پور، ج ۲، ص ۷۴۵

۵۶۔ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح البخاری، دہلی ۱۹۳۸ء، ج ۲، ص ۹۹۵، ۹۹۶۔

۵۷۔ ایضاً۔ یہی واقعہ جب دوبارہ حضرت عمر کے عہد میں پیش آیا تو حضرت علی اور عباس ان کے پاس گئے۔ بخاری میں ہے: محمد بن جبیر بن مطعم کی روایت ہے: فقال انطلقت حتی ادخل علی عمر فاتاه حاجبه یرفا فقال هل لك فی عثمان وعبدالرحمٰن والزبیر وسعد قال نعم فاذن لهم ثم قال هل لك فی علی وعباس قال نعم قال عباس یا امیرالمومنین اقض بینی وبین هذا قال انشدکم باللّٰه الذی باذنه تقوم السماء والارض هل تعلمون ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال انا لا نورث ما ترکنا صدقة یرید رسول اللّٰه نفسه فقال الرهط قد قال ذلك .... فقال ابوبکر انا ولی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقبضها فعمل بما عمل به رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ثم توفی اللّٰه ابا بکر فقلت انا ولی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ...... لا اقضی فیها قضاء غیر ذلك۔

۵۸۔ بخاری، ایضاً۔

۵۹۔ قرآن مجید، ۹ : ۲۹

۶۰۔ ابو عبید، کتاب الاموال، قاہرہ، ۱۳۵۳ھ ص ۳۲۔

۶۱۔ بلاذری، بحوالہ شبلی نعمان، الفاروق، دہلی ۱۸۹۸ء حصہ دوم ص ۸

۶۲۔ ابو عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص ۳۲

۶۳۔ ابوبکر احمد بن الحسین ابن علی البیہقی، کتاب السنن الکبریٰ، حیدرآباد دکن ۱۳۴۴ھ ج ۱ ص ۱۶۵

۶۴۔ ایضاً۔

۶۵۔ ازالۃ الخفاء بحوالہ شبلی، الفاروق، دہلی ۱۸۹۸ء حصہ دوم۔

۶۶۔ البیہقی، السنن الکبریٰ، ایضاً ص ۱۶۵۔

۶۷۔ البیرونی، آثار الباقیہ بحوالہ (THE [illegible]CYCLOPEDIA OF ISLAM VOL. II 1927, P303)

۶۸۔ الیعقوبی۔ تاریخ الیعقوبی، ج ۲ ص ۱۴۵ فاشار علیه علی بن ابی طالب ان یکتبه من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الھجرۃ، مکتبہ من الھجرۃ ــــ شبلی، الفاروق، حصہ دوم ص ۶۵ ۔

۶۹ ۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۶، الطبری تاریخ، جلد ۱ ص ۲۲۱۰ ۔

۷۰ ۔ الطبری، تاریخ، جلد ۱، ص ۲۲۱۴ ۔

۷۱ ۔ الطبری، جلد ۱، ص ۲۲۱۳ ۔

۷۲ ۔ ایضاً ۔ ص ۲۲۱۴ ۔

۷۳ ۔ ایضاً ۔

۷۴ ۔ البلاذری۔ فتوح البلدان، ص ۲۵۵ ۔

۷۵ ۔ الطبری، ج ۱، ص ۱۴، ۲۲۱۳ ۔

۷۶ ۔ البلاذری، فتوح البلدان، مصر ۱۹۳۲ء، ص ۳۶ ۔

۷۷ ۔ شبلی، الفاروق، حصہ دوم، ص ۱۸ ۔

۷۸ ۔ قرآن مجید: ۴۱ : ۸ ۔

۷۹ ۔ ایضاً ۔

۸۰ ۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، مصر ۱۳۰۴ھ، ص ۲۰ ۔

۸۱ ۔ ایضاً ۔

۸۲ ۔ ایضاً ۔

۸۳ ۔ ایضاً ۔

۸۴ ۔ ایضاً ۔

۸۵ ۔ ایضاً ۔

۸۶ ۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۵۸ء، جلد ۳، ص ۲۸۳ ۔

۸۷ ۔ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک الطبعۃ الاولیٰ ص ۲۵۷۶ ۔

۸۸ ۔ (۱) الطبری، تاریخ جلد ۴، ص ۲۴۷۰ ۔

(۱) (DANIEL C. DENNET GOVERSIM AND THE POLL TAX IN EARLY ISLAM HARVARD UNIVERSITY PRESS 1950, P. 14)

© rasailojaraid.com